

الصَّوْمُ لِي

جملہ عباداتِ اسلامی..... صلوٰۃ و زکوٰۃ اور صوم و حج..... میں سے عبادتِ صوم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے بارے میں متعدد روایات کی رو سے، جن میں بخاری اور مسلم کی متفق علیہ روایت بھی شامل ہے، ایک حدیثِ قدسی میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ:

الصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِيْ بِهٖ

روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا
جنہیں بعض لوگوں نے اعراب کے ذرا سے فرق کے ساتھ یوں بھی پڑھا ہے کہ:

الصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اُجْزِيْ بِهٖ

روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا ہوں!

یہاں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نماز خدا کے لئے نہیں؟ اسی طرح کیا زکوٰۃ اور حج اللہ کے سوا کسی اور کے لئے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ان سوالوں کا جواب صرف نفی ہی میں دیا جاسکتا ہے۔ قرآن حکیم کے واضح ارشادات ہیں:

۱- وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ (طہ: ۱۴)

اور قائم کر نماز میری یاد کے لئے!

۲- حَافِظُوْا عَلٰى الصَّلٰوَاتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْا لِلّٰهِ

قَانِتِيْنَ۔ (البقرة: ۲۳۸)

محافظة کرو نمازوں کی۔ اور خاص طور پر نماز وسطیٰ کی اور کھڑے رہو اللہ کے لئے پوری فرمانبرداری کے ساتھ!

۳- وَ لِلّٰهِ عَلٰى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

(ال عمران: ۹۷)

عظمتِ صوم

حدیثِ قدسی ﴿وَاِنَّهٗ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِيْ بِهٖ﴾ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

36-K ماڈل ٹاؤن لاہور۔

www.tanzeem.org

اور لوگوں کے ذمے ہے اللہ کے لئے حج بیت اللہ۔ جو کوئی بھی استطاعت

رکھتا ہو اس کے سفر کی

۴۔ وَاتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ (البقرة: ۱۹۶)

اور پورا حج اور عمرے کو اللہ کے لئے

۵۔ اِنَّمَا نَطْعُمُكُمْ لِرُؤُوفِهِ اللّٰهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا

شُكْرًا (الدھر: ۹)

ہم کھانا کھلاتے ہیں تمہیں صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے، اور تم سے طالب ہیں نہ کسی جزا کے نہ شکر کے!

اس اشکال کا ایک سطحی ساحل بعض حضرات نے اس طرح کرنے کی کوشش کی ہے کہ روزے میں ریاء ممکن نہیں ہے جب کہ بقیہ تمام عبادتوں میں ریاء کا امکان ہے، اس لئے کہ روزے کی کوئی ظاہری صورت نہیں ہے جو لوگوں کو نظر آسکے بلکہ وہ ایک راز ہے عبد اور معبود کے مابین۔ ظاہر ہے کہ یہ بالکل بے بنیاد ہے اس لیے کہ نماز میں ریاء یہی تو ہے کہ پڑھے تو انسان نماز ہی لیکن خالصتہً لوجہ اللہ نہ پڑھے بلکہ اس میں لوگوں کو دکھانے کی نیت شامل ہو جائے یعنی یہی معاملہ روزے کے ساتھ بھی ممکن ہے..... رہی دوسری انتہائی صورت کہ انسان روزے سے نہ ہو اور لوگوں سے کہے کہ میں روزہ سے ہوں تو یہ ریاء نہیں دھوکا اور فریب ہے اور اسے مقابل کی صورت نماز کے معاملے میں یہ ہوگی کہ کوئی ظاہراً تو نماز کیلئے دست بستہ کھڑا ہو جائے لیکن بجائے سورۃ فاتحہ کے کوئی عمقیہ اشعار شروع کر دے۔ یا نعوذ باللہ من ذالک، خدا تعالیٰ اور رسولؐ کو گالیاں دینا شروع کر دے!..... پھر ایک نص قطعاً کے طور پر موجود ہے وہ حدیث بھی جس کی رو سے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ

يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ (رواہ احمد، مشکوٰۃ باب الریاء والسمّعه)

جس نے نماز پڑھی دکھاوے کیلئے وہ شرک کر چکا، اور جس نے روزہ رکھا دکھاوے

کے لئے وہ شرک کر چکا اور جس نے خیرات دی دکھاوے کی غرض سے وہ بھی شرک

میں ملوث ہو چکا!

اس حدیث قدسی کا یہی وہ اشکال ہے جس کے باعث یہ عام واعظین کے مواعظ میں تو بیان ہو جاتی ہے لیکن اسلام کے جدید مفکرین کی تحریر و تقریر میں بار نہیں پاتی۔ اس لیے کہ واقعہ یہی ہے کہ دین کے بہت سے دوسرے لطیف تر حقائق جیسے عہد اکت، وحی، الہام، کشف اور رویائے صادقہ وغیرہ کی طرح اس حدیث قدسی کی حقیقت بھی ان لوگوں پر منکشف نہیں ہو سکتی جو دہر حاضر کے ماڈرن پرستانہ اور عقلیت پسندانہ رجحانات کے زیر اثر رُوح انسانی کے جسدِ خاکی سے علیحدہ مستقل وجود اور جداگانہ تشخص اور اس کے ذاتِ باری کے ساتھ خصوصی ربط و تعلق کے یا دوسرے سے قائل ہی نہیں ہیں یا کسی درجے میں ہیں بھی تو اس کے اعتراف و اعلان میں جھجک اور حجاب محسوس کرتے ہیں! بقول اکبر الہ آبادی:

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اس لئے کہ اس حدیث قدسی کی واحد ممکن تو جیہہ یہ ہے کہ روزہ روح کے تغذیہ و تقویت کا ذریعہ ہے جسے ایک تعلق خاص اور نسبت خصوصی حاصل ہے ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ لہذا یہ گویا خاص اللہ کے لئے ہے جس کی جزا وہ بطور خاص دے گا۔ یا یوں کہہ لیں کہ چونکہ اس کا حاصل ہے تقرب الی اللہ تو گویا اللہ خود ہی بنفس نفیس اس کی جزا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ارواح انسانی، کا ایجاد و ابداع اجساد کی تخلیق سے پہلے ”جَنُودٌ مُّجَنَّدَةٌ“ (مسلم عن ابی ہریرہؓ) کی صورت میں ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام کی عالم اجساد میں تخلیق سے بہت قبل خود ان کی اور ان سے لے کر تا قیام قیامت پیدا ہونے والے تمام انسانوں کی ارواح مستقل جداگانہ تشخص اور پورے شعور ذات اور فیما بین جملہ امتیازات کے ساتھ موجود تھیں۔

اس حقیقت کے اور اک شعور کے بغیر، واقعہ یہ ہے کہ عہد اکت کا وہ اہم واقعہ جسے قرآن مجید نے بڑے اہتمام اور شد و مد کے ساتھ بیان کیا ہے اور جسے محاسبہ اخروی کے ضمن

میں ایک اہم حجت قرار دیا ہے یا تو محض تمثیل و استعار قرار پاتا ہے یا پھر اس کے بارے میں اچھے اچھے مصنفین کے قلم سے بھی نادانستہ انتہائی لغو اور مہمل جملے نکل جاتے ہیں۔^(۱) سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہ عہد اجسادِ انسانی کی تخلیق سے قبل عالم ارواح میں ارواحِ انسانی نے پورے ہوش اور شعور کے ساتھ کیا اور میدانِ حشر میں جب تمام نسلِ انسانی دوبارہ^(۲) ”جُنُودٌ مُّجَنَّدَةٌ“ کی صورت میں اپنے خالق کے سامنے پیش ہوگی تو یہی عہدِ اُکست ان کے خلاف حجت اولیٰ کے طور پر پیش ہوگا! ”مبادا تم کہنے لگو قیامت کے دن کہ ہم کو اس کی خبر ہی نہ تھی یا یوں کہنے لگو کہ اصل میں تو شرک کا ارتکاب کیا تھا ہم سے بہت پہلے ہمارے آباؤ اجداد نے اور ہم تو بعد میں ان کی نسل میں پیدا ہوئے تھے!“ سورہ اعراف آیات ۱۷۲، ۱۷۳)

اسی طرح اس حقیقت کو جانے اور مانے بغیر کوئی تو جیہہ ممکن نہیں ان متعدد احادیث کی جن سے واضح ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نہ صرف یہ کہ خلق کے اعتبار سے سب پر مقدم ہیں بلکہ آپ اس وقت بھی نبی تھے جبکہ ابھی جسدِ آدمِ تخلیق و تسویہ کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ اس سلسلے میں اس روایت سے قطع نظر جس میں ”أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي“ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اس لئے کہ وہ محدثین کرام کے نزدیک مستند نہیں ہے، آخر اس حدیث کی کیا توجیہ ممکن ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ؟ قَالَ
وَإِذْ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ (رواه الترمذی وقال حدیث حسن)

(۱) مثلاً مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں: ”یہ اقرار انسان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی عالم

غیب میں خدا نے اس سے لیا ہے۔“ (تذکر قرآن جلد سوم صفحہ ۳۹۴)

(۲) وَعَرُضُوا عَلَيَّ رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ذَلِكُمْ مَزْعَمٌ أَلَمْ نَجْعَلْ لَكُمْ مَوْعِدًا (الکہف: ۳۸)

”اور پیش کئے جائیں گے اپنے رب کے سامنے صف در صف (تب وہ فرمائے گا کہ) آپہنچے ہو تم ہمارے پاس بالکل اسی طرح جس طرح ہم نے پیدا فرمایا تھا تمہیں پہلی بار۔ لیکن تم تو اس مغالطے میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ہم تمہارے لیے اس ملاقاتِ موعودہ کے لئے کوئی وقت نہ متعین کریں گے!“

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ آپ کونبوت کب ملی؟ فرمایا اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے (یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی!) ترمذی بحوالہ ترجمان السنہ اول ظاہر ہے کہ اسکی ایک ہی توجیہ ممکن ہے اور وہ یہ کہ اجسادِ انسانی کی تخلیق سے بہت قبل ارواحِ انسانی خلعتِ وجود سے مشرف ہو چکی تھیں اور ان کے مابین مراتب و مناصب کے جملہ امتیازات بھی موجود تھے۔!

بعد ازاں جیسے ہی آدم کے جسدِ خاکی کا ہیولی تخلیق و تسویہ کے طویل مراحل طے کر کے اس قابل ہوا کہ روح آدم اس سے ملحق کی جاسکے تو نفعِ روح ہوا اور روح و جسد کا یہ مجموعہ موجود ملائکہ قرار پایا۔ آیات قرآنی:

۱- وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ مِّبَشَرًا مِّنْ صَلٰوٰتٍ مِّنْ حَمٰٓءٍ مَّسْنُوٰنٍ
فَاِذَا سُوِّیْتَهُ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَفَعُوْا لَهٗ سَجِدٰتٍ (الحجر: ۲۸، ۲۹)

اور (یاد کرو) جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے، میں پیدا کرنے والا ہوں اس سے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر کھنکھانے لگا ہے ایک بشر، تو جب میں اسے پوری طرح مکمل کر چکوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو گر پڑنا اس کے لئے سجدے میں۔

۲- اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ مِّبَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ فَاِذَا سُوِّیْتَهُ وَنَفَخْتُ
فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَفَعُوْا لَهٗ سَجِدٰتٍ ۝ (ص: ۷۱، ۷۲)

اور (یاد کرو) جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے، میں بنانے والا ہوں مٹی سے ایک بشر۔ تو جب میں اسے پوری طرح بنا کر درست کر دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی روح میں سے تو گر پڑنا اس کے لئے سجدے میں۔

اور پھر پوری نوعِ انسانی کو صلحِ آدم سے متعلق کر دیا گیا۔ چنانچہ جیسے جیسے ارحامِ امہات میں افرادِ نوعِ انسانی کے اجساد تیار ہوتے رہے ایک خاص مرحلے پر جنودِ ارواح میں سے ایک ایک روح ان کے ساتھ متعلق کی جاتی رہی۔ جس کو تعبیر کیا سورہ مومنون

میں ”حَلَقًا آخَرَ“ کے الفاظ مبارکہ سے اور جس کی خبر دی مزید وضاحت کے ساتھ صادق و مصدوق علیہ الصلوٰۃ السلام نے۔ از روئے آیات وحدیث مندرجہ ذیل:

۱- وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝
ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ (السجده: ۷، ۸، ۹)

اور اس نے انسان کی تخلیق کا آغاز کیا مٹی سے، پھر چلائی اس کی نسل نچرے ہوئے بے قدر پانی سے۔ پھر اس کو درست کیا پوری طرح اور پھونکا اس میں اپنی روح میں سے۔!

۲- وَكَفَدْنَا خَلْقَنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا ۝ ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۝ فَتَبَرَّكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ (المؤمنون: ۱۲ تا ۱۴)

اور ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے خلاصے سے۔ پھر کر دیا ہم نے اس کو ایک بوند جیے ہوئے ٹھکانے میں، پھر بنایا اس بوند سے ایک علقہ اور پھر بنایا اس علقہ سے ایک لوتھڑا، پھر بنائیں اس لوتھڑے سے ہڈیاں، پھر پہنایا ہڈیوں کو گوشت۔ اور پھر اٹھایا اسے ایک اور ہی اٹھان پر۔ سو بڑا ہی بابرکت ہے اللہ سب سے اچھی تخلیق فرمانے والا۔!

۳- عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ: ((إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يُرْسَلُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَنْفَخُ فِيهِ الرُّوحَ (رواه البخاری ومسلم)

ابو عبد الرحمن ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ فرمایا نبی اکرم ﷺ نے جو سچے ہیں اور ان کی سچائی مسلم ہے کہ: ”تم میں سے ہر ایک کی تخلیق رحم مادر میں چالیس دن تو نطفے کی صورت میں ہوتی ہے، پھر اتنے ہی دن علقہ کی صورت میں، پھر اتنے ہی دن مضغہ کی صورت میں۔ پھر اس کے بعد ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں رُوح پھونکتا ہے (اس حدیث کو روایت کیا امام بخاری اور امام

مسلم دونوں نے)

واضح رہے کہ یہاں روح سے مراد زندگی لینا بہت بڑا مغالطہ ہے اس لئے کہ بے جان تو نہ وہ ”بَيْضَةُ الْأَنْثَى“ ہی ہوتا ہے جو طویل مسافت طے کر کے رحم میں پہنچتا ہے اور نہ ”نُطْفَةُ السَّرْجَلِ“ جو نہایت جوش و خروش سے حرکت کرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ اس میں داخل ہوتا ہے۔ رہے علقہ اور مضغہ تو ان میں تو نشوونما کا خالص حیاتیاتی عمل انتہائی زور شور سے جاری ہوتا ہے۔ لہذا یہاں بے جان مادے میں زندگی پھونکنے کا کوئی سوال نہیں بلکہ جسدِ انسانی کے ساتھ جو تخلیق و تسویہ کے مراحل طے کر رہا ہے روحِ انسانی کے الحاق کا معاملہ ہے، فافہم و تدبر!

اب آئیے اصل موضوع کی طرف!

حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک مرکب وجود کا حامل ہے جو دو اجزاء پر مشتمل ہے:

ایک اس کا وجود حیوانی جو مجموعہ ہے جسم اور جان یا جسد و حیات دونوں کا اور دوسرے روح^(۱) انسانی جس کے شرف و مجد کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذات کی طرف نسبت دی! (وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي!) ایک کا تعلق ہے عالمِ خلق سے جس میں تخلیق و تسویہ کا عمل لازماً تدریج و ارتقاء کے مراحل سے ہو کر گزرتا ہے، جب کہ دوسرے کا تعلق ہے عالمِ امر سے جہاں ابداع اور ایجاد و تکوین کا ظہور کن فیکونی شان کے ساتھ ہوتا ہے شجوائے الفاظ قرآنی:

۱- وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ط قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی اسرائیل: ۸۵)

اور پوچھتے ہیں تم سے روح کے بارے میں۔ کہو رُوح میرے رب کے امر سے ہے!

۲- وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَّمِجٍ بِالْبَصْرِ (القمر: ۵۰)

اور نہیں ہے ہمارا امر مگر بس ایسے جیسے ایک لپک نگاہ کی!

(۱) اکثر لوگ روح کو حیات یا زندگی کے ساتھ خلط ملط کر دیتے ہیں حالانکہ زندگی تو جمع حیوانات ہی نہیں نباتات تک میں ہے۔ وہ روحِ ربانی جس سے انسان جملہ حیوانات سے میسر ہوتا ہے بالکل دوسری چیز ہے!

۳۔ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یس: ۸۲)

اور اس کے امر کی شان تو یہ ہے کہ وہ بس کہہ دیتا ہے کہ ہو جا اور ہو جاتا ہے!

مزید برآں..... ایک کارہجان ہے عالم سفلی کی طرف جبکہ دوسرے کی پرواز ہے عالم علوی کی جانب، بلکہ ایک بالقوہ ”أَسْفَلَ سَافِلِينَ“^(۱) کے حکم میں ہے تو دوسرے کا اصل مقام اعلیٰ ”علیین“^(۲) میں ہے، ایک خاکی الاصل ہے اور ”كُلُّ شَيْءٍ يَسِرُّ إِلَىٰ أَرْضِهِ“^(۳) کے مصداق ”وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ“^(۴) کی مکمل تصویر، جبکہ دوسرا نوری الاصل اور ع: ”اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن!“ کے مصداق ہمیشہ عالم بالا کی جانب مائل و متوجہ۔ ایک خالصتہ حیوانات کی سطح پر ہے تو دوسرا فرشتوں کا ہم رتبہ ہی نہیں بالقوہ ان سے بھی آگے! بقول شیخ سعدیؒ۔

آدمی زادہ طرفہ معجون است از فرشته سرشته وز حیوان

گویا دونوں باہم متضاد و متضادم ہیں۔ چنانچہ ایک تقویت پاتا ہے تو دوسرا لازماً مضمحل ہوتا ہے اور ایک کا دباؤ بڑھے تو دوسرے کا کچلا جانا لازمی ہے! چنانچہ بطن و فرج کے تقاضوں کی بھر پور تسکین اور کثرت آرام و استراحت سے روح مضمحل ہوتی چلی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ وقت بھی آجاتا ہے جب انسان کا جسد خاکی چلتا پھرتا اور کھاتا پیتا الغرض ہر اعتبار سے زندہ ہی نہیں خوب فرہ و توانا نظر آتا ہے در آنحال یہ کہ اس کی روح، کمزور اور لاغر ہوتی ہوتی بالآخر سسک سسک کر دم توڑ دیتی ہے اور جسد انسانی اس روح کے لئے چلتی پھرتی قبر بن کر رہ جاتا ہے بقول علامہ اقبال^(۱) ع ”روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد!“

(۱) سورة التین

(۲) سورة المطففین

(۳) ایک مقولہ: ”ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے!“۔

(۴) سورة اعراف: ۱۷۶

(۵) قرآن حکیم نے ایک سے زائد مقامات پر منافقین کے ”تن و توش“ کی جانب خصوصی اشارے کیے ہیں مثلاً سورة منافقون میں فرمایا!

وَإِذَا رَأَوْهُمْ تَعَجَّبَكُمُ أَجْسَامُهُمْ وَطَرَائِفُهُمْ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ لَقَوْلِهِمْ لَمَنْ أَسْفَلُ مِنْهُمْ حَشْبًا

اور فحوائے الفاظ قرآنی:

إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمَعُ الصَّمَّةَ الدُّعَاءَ (النمل: ۸۰، روم: ۵۲)

یقیناً (اے نبی) تم نہیں سنا سکتے (اپنی بات) مُردوں کو اور نہ سنا سکتے ہو (اپنا بیخام)

بہروں کو!

افسوس کہ دورِ حاضر میں مادہ پرستانہ نقطہ نظر کے تسلط کے باعث روح اور جسد کے جداگانہ تشخص اور ان کے تقاضوں کے باہم متضاد و متضادم ہونے کو شعور و ادراک عوام تو کجا خواص تک کو حاصل نہیں رہا۔ حتیٰ کہ بہت سے جدید مفکرین اسلام، تو اس حقیقت کبریٰ کا ذکر بھی بطرز استہزاء و استحقار کرتے ہیں۔ چنانچہ عصر حاضر کے ایک بہت بڑے مفکر اسلام^(۱) ”اسلام کا روحانی نظام“ کے عنوان سے ایک نشری تقریر میں فرماتے ہیں:

”فلسفہ و مذہب کی دنیا میں عام طور پر جو تخیل کا رفرما ہے وہ یہ ہے کہ روح اور جسم

ایک دوسرے کی ضد ہیں، دونوں کا عالم جدا ہے۔ دونوں کے تقاضے الگ بلکہ باہم

مخالف ہیں..... اسلام کا نقطہ نظر اس معاملے میں دنیا کے تمام مذہبی اور فلسفیانہ

نظاموں سے مختلف ہے.....“

اس ضمن میں انہوں نے دنیا پرستی اور ترک دنیا کی دو انتہائی صورتوں کی جو تریدید کی ہے وہ اصولاً بالکل درست ہے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ ان کی توجہ اس حقیقت کی جانب کیوں منعطف نہ ہوئی کہ انسانی تاریخ میں ان دونوں انتہاؤں کی موجودگی بجائے خود اس کا ثبوت ہے کہ انسانی شخصیت میں دو بالکل متضاد اور مخالف قوتیں کارفرما ہیں۔ جن کے مابین مسلسل رسہ کشی جاری رہتی ہے۔ چنانچہ کبھی ایک پلڑا بھاری ہو جاتا ہے کبھی دوسری کا۔ بقول علامہ اقبالؒ۔

﴿ مَسْنَدَةٌ (سورة منافقون: ۴) ﴾

اور (اے نبی) جب تم انہیں (منافقین کو) دیکھتے ہو تو ان کے تن و توش سے متاثر ہو جاتے ہو چنانچہ جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کی گفتگو کو بغور سنتے ہو۔ حالانکہ درحقیقت وہ سوکھی لکڑیوں کے مانند ہیں جنہیں سہارے سے رکھ دیا گیا ہو۔

(۱) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوزو سازِ رومی کبھی پیچ و تاب رازی
اسلام بلاشبہ ان کے مابین توازن پیدا کرنا چاہتا ہے اور عدم توازن (۱) کو ہرگز پسند نہیں
کرتا لیکن توازن کا یہ تصور بجائے خود دلیل قاطع ہے جس اور روح کے تضاد اور ان کے
تفاضل کے باہم متقابل و متبائن ہونے کی۔ بقول شاعر۔

درمیانِ قعر دریا تختہ بندم کردہ ای!

با زمی گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش!

واقعہ یہ ہے کہ فکر و نظر کی اس بنیادی غلطی نے تصور دین کی پوری عمارت ہی کو کج کر
ڈالا ہے۔ چنانچہ جب روح، صرف زندگی کے ہم معنی ہو کر رہ گئی تو 'دین' بھی بس ایک نظام
حیات، بن کر رہ گیا اور مذہب کا ایک ایسا لاندہ بی (Secular) ایڈیشن تیار ہو گیا جس میں
مذہب کے لطیف حقائق سرے سے خارج از بحث ہو گئے۔

نخست اول چون نہد معمار کج! تا ثریا می رود دیوار کج!!

ایک حقیقت کی جانب مزید توجہ فرمائیے!

جسد انسانی یا انسان کا وجود حیوانی خاک کی الاصل ہے چنانچہ اس کی جملہ ضرورتیں اور اس
کے تغذیہ و تقویت کا تمام سامان بھی زمیں ہی سے حاصل ہوتا ہے جبکہ روح انسانی قدسی
الاصل اور امر رب ہے لہذا اس کے تغذیہ و تقویت کی ضرورت بھی تمام تر کلام ربانی ہی سے

(۱) اگرچہ عدم توازن کی تمام صورتیں برابر نہیں ہیں۔ چنانچہ بہت فرق ہے اس عدم توازن میں جو دنیا
پرستی یا شکم پروری و شہوت پرستی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس عدم توازن میں جو ترک دنیا یا
رہبانیت کی صورت اختیار کرتا ہے۔ سابقہ امتوں میں عدم توازن کی پہلی صورت کی مثال یہود
ہیں جنہیں "المغضوب علیہم" قرار دیا گیا ہے اور دوسری صورت کی مثال نصاریٰ ہیں جنہیں
صرف "ضالین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مزید تقابل کے لیے دیکھئے سورہ حدید، جس کے وسط میں
یہود کا ذکر ہے جن کی دنیا پرستی نتیجہ تھی قساوت قلبی، کا اور آخر میں متبعین عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے
جن کی رہبانیت کو اگرچہ بدعت قرار دیا گیا لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ تھی یہ نیکی کے جذبے ہی کی
ایک غیر معتدل صورت!

پوری ہو سکتی ہے جسے قرآن حکیم نے روح (۱) ہی سے تعبیر کیا ہے از روئے آیات مبارکہ:
۱- وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا
الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا (الشورى: ۵۲)
اور اسی طرح (اے نبی!) ہم نے وحی کی تمہیں ایک روح اپنے امر سے (اس سے
پہلے) تم کچھ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا۔ لیکن (اب) بنا دیا ہے
اسے ایک نور جس کے ذریعے ہدایت دیتے ہیں ہم اپنے بندوں میں سے جس پر
چاہیں!

۲- يُلْقَى الرُّوحُ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (المومن: ۱۵)

القاء فرماتا ہے روح اپنے امر سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے!

۳- نَزَّلَ الْمَلَكُ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ (النمل: ۲)

نازل فرماتا ہے فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے امر سے، اپنے بندوں میں سے جس پر

چاہے!

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ رمضان المبارک کے پروگرام کی دو شقیں ہیں ایک دن کا روزہ
اور دوسرے رات کا قیام اور اس میں قرأت و استماع قرآن! اور اگرچہ ان میں سے پہلی
شق فرض کے درجے میں ہے اور دوسری بظاہر نفل کے، تاہم قرآن مجید اور احادیث نبویہ علی
صاحبہ الصلوٰۃ والسلام دونوں نے اشارۃ اور کنایۃً واضح فرمادیا کہ یہ ہے رمضان المبارک
کے پروگرام کا جزو لاینفک! چنانچہ قرآن نے وضاحت فرمادی کہ روزوں کے لئے ماہ
رمضان معین ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا: گویا یہ ہے ہی فزول

(۱) یہاں اس حقیقت کی جانب بھی توجہ ہو جائے کہ وحی کے لانے والے کو بھی قرآن نے کہیں "روح
القدس" سے موسوم فرمایا ہے اور کہیں "الروح الامین" سے اور مہبط وحی بھی قرار دیا ہے قلب کو جو
دراصل بمنزلہ شاہ درہ ہے شہر روح کے لئے۔ تو حقیقت وحی کے ضمن میں بھی ایک کلید مل جاتی ہے
اگرچہ یہ بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے! گویا وحی خود بھی روح، اس کے لانے والا بھی روح
اور اس کا مہبط بھی روح۔ جگر کا ایک شعر اس نغمہ وحی کی ماہیت کو خوب واضح کرتا ہے۔

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو روح سنے اور روح سناے!

قرآن کا سالانہ جشن!

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (البقرة: ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔

اور احادیث نے تو بالکل ہی واضح کر دیا کہ رمضان المبارک میں 'صیام' اور 'قیام' لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں: چنانچہ:-

۱- امام بیہقی نے رمضان المبارک کی فضیلت کے ضمن میں جو خطبہ آنحضرت ﷺ کا 'شعب الایمان' میں نقل کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں:

جَعَلَ اللَّهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا

اللہ نے قرار دیا اس میں روزہ رکھنا فرض اور اس کا قیام اپنی مرضی پر۔

گویا قیام لیل الیوم اگرچہ "تَطَوُّعًا" ہے تاہم اللہ کی جانب سے مجموعہ بہر حال ہے!

۲- بخاری اور مسلم دونوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَنْ قَامَ

رَمَضَانَ إِيمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

"جس نے روزے رکھے رمضان میں ایمان و احتساب کے ساتھ، بخش دیئے گئے

اس کے تمام سابقہ گناہ اور جس نے (راتوں کو) قیام کیا رمضان میں ایمان و

احتساب کے ساتھ، بخش دیئے گئے اس کے جملہ سابقہ گناہ۔"

۳- امام بیہقی نے شعب الایمان، میں حضرت عبداللہ ابن عمر و ابن العاص سے روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ، يَقُولُ الصِّيَامُ اِي رَبِّ اِنِّي مَنَعْتُهُ

الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفَعْنِي فِيهِ وَيَقُولُ الْقُرْآنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ

بَاللَّيْلِ فَشَفَعْنِي فِيهِ فَيُشَفَّعَانِ

"روزہ اور قرآن دونوں بندہ مومن کے حق میں سفارش کریں گے روزہ کہے گا اے

رب! میں نے اسے روکے رکھا دن میں کھانے اور خواہشات سے پس اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما اور قرآن کہے گا میں نے روکے رکھا اسے رات کو نیند سے پس اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ تو دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی"

اور اب غور فرمائیے صوم رمضان کی حکمتوں پر!

حقائق متذکرہ بالا کے پیش نظر صیام و قیام رمضان کی اصلی غایت و حکمت اور ان کا اصل ہدف و مقصود ایک جملے میں اس طرح سمویا جاسکتا ہے کہ:..... ایک طرف روزہ انسان کے جسد حیوانی کے ضعف و اضمحلال کا سبب بنے تاکہ روح انسانی کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں کچھ ہلکی ہوں اور بہیمیت کے بھاری بوجھ تلے دبی ہوئی اور سستی اور کراہتی ہوئی روح کو سانس لینے کا موقع ملے..... اور دوسری طرف قیام لیل الیوم میں کلام ربانی کا روح پرور نزول^(۱) اس کے تغذیہ و تقویت کا سبب بنے..... تاکہ ایک جانب اس پر کلام الہی کی عظمت کماحقہ منکشف ہو جائے اور وہ اچھی طرح محسوس کر لے کہ یہی اس کی بھوک کو سیری اور پیاس کو آسودگی عطا کرنے کا ذریعہ اور اس کے دکھ کا علاج اور درد کا درماں ہے! اور دوسری جانب روح انسانی از سر نو قوی اور توانا ہو کر "اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز" ہو گیا اس میں تقرب الی اللہ کا داعیہ شدت سے بیدار ہو جائے اور وہ مشغول دعا و مناجات ہو جو اصل روح ہے عبادت^(۲) کی اور لپٹ لبا ب ہے رُشد و ہدایت کا!

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں صوم و رمضان سے متعلق آیات^(۳) میں:

اولاً..... مجرد صوم کی مشروعیت اور اس کے ابتدائی احکام کا ذکر ہوا اور اس کی غرض و غایت بیان ہوئی "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" کے الفاظ میں اور

ثانیاً..... صوم رمضان کی فرضیت اور اس کے تکمیلی احکام کا بیان ہوا اور اس کے ثمرات و

(۱) تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہونزول کتاب گرہ کٹا ہے نہ راز ہی نہ صاحب کشف! (اقبال)

(۲) احادیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام "الذُّعَاءُ مَخُ الْعِبَادَةِ" اور "الذُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ"

(۳) سورہ بقرہ آیات ۱۸۳ تا ۱۸۷

نتائج کا ذکر ہوا و طرح پر:

ایک..... وَرَلْتَكْبِرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰكُمْ وَاَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

کے الفاظ میں جو عبارت ہے انکشافِ عظمتِ نعمتِ قرآن اور اس پر اللہ کی جناب میں ہدیہ تکبیر و لشکر پیش کرنے سے اور

دوسرے..... وَ اِذَا سَاَلْتَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ط اُجِيبُ دَعْوَةَ الدّٰعِ

اِذَا دَعَا نَ لَا فَاَلِيْسَتْ حَيٰوِيْ وَاَلِيْسَتْ حَيٰوِيْ وَاَلِيْسَتْ حَيٰوِيْ كَعَلْمِهِمْ يَرْشُدُوْنَ

کے الفاظ میں جو عبارت ہے انسان کے متوجہ الی اللہ و متلاشیِ قرب الہی اور مشغولِ دُعا اور مروجہ مناجات ہونے سے جو اصل حاصل ہے عبادتِ رَبِّ کا!

الغرض! صیام و قیام رمضان کا اصل مقصود یہ ہے کہ روح انسانی بہیمیت کے غلبے اور

تسلط سے نجات پا کر گویا حیات تازہ حاصل کرے اور پوری شدت و قوت اور کمال

ذوق و شوق کے ساتھ اپنے رب کی جانت متوجہ ہو جائے!

اب ذرا ایک بار پھر سوچئے کہ یہ روح انسانی درحقیقت ہے کیا؟ جیسے کہ پہلے واضح

ہو چکا ہے، یہ ”اَمْرٍ رَبِّي“ بھی ہے اور جلوہٴ ربانی بھی۔ اس کا تعلق ذاتِ خداوندی کے

ساتھ بالکل وہی ہے جو سورج کی ایک کرن کا سورج کے ساتھ کہ لاکھوں اور کروڑوں میل

دور آ جانے کے باوجود اپنے منبع سے منقطع اور اپنے جداگانہ وجود کے باوصف اپنی اصل سے

منفصل نہیں ہے..... یعنی یہی کیفیت ہے روح انسانی کی کہ اپنے علیحدہ تشخص کے باوجود

خدا سے منفصل نہیں بلکہ متصل ہے بقول عارفِ رومی۔

اتصالے بے تکلیف بے قیاس ہست ربُّ الناس را با جانِ ناس!

گویا قلبِ انسانی کی مکین روح ربانی براہِ راست متصل ہے ذاتِ رب کے ساتھ اور یہی

ہے وہ عظیم امانت جس کے بارگراں کے نہ سماوات متحمل ہو سکے نہ ارض و جہاں لیکن جو حصے

میں آئی ظلوم و جہول انسان^(۱) کے:۔

آسماں بار امانت نتواں گشت کشید قرءہ فال بنا من دیوانہ زندند!

یہی وجہ ہے کہ ایک حدیثِ قدسی کی رو سے قلبِ مومن کی مکین خود ذاتِ الہی ہے:

مَا وَسَعَنِي اَرْضِيْ وَلَا سَمَائِيْ وَلٰكِنْ وَسَعَنِيْ قَلْبِي عَبْدِي الْمُؤْمِنِ

میں نہ زمین میں سا سکا نہ آسمان میں، البتہ اپنے مومن بندے کے دل میں میری

سمائی ہوگئی۔ (رج ۳ ص ۱۴، احیاء العلوم الدین، امام غزالی)

من کنجمن در زمین و آسماں لیک کنجمن در دل مومن عیاں! (سعدی)

تو کیا بالکل درست نہیں یہ قول مبارک کہ ”اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ“..... بلکہ

”اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ“..... اس لئے جب کہ دوسری بدنی اور مالی عبادتوں کا حاصل

تزکیہ و تطہیر نفس وہاں صوم رمضان کا حاصل ہے تغذیہ و تقویتِ رُوح جو متعلق ہے براہ

راست ذاتِ خداوندی کے ساتھ..... لہذا روزہ ہو خاص اللہ کے لئے، اب چاہے یوں کہہ

لیں کہ وہ خود ہی اس کی جزا دے گا یا یوں کہہ لیں کہ وہ خود ہی بہ نفسِ نفیس اس کا انعام ہے،

کوئی فرق واقع نہیں ہوتا اس لئے کہ خدا تو منتظر رہتا ہے کہ جیسے ہی کوئی بندہ خلوص و اخلاص

کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو وہ بھی کمالِ شفقت و عنایت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ

ہو جائے..... یہاں تک کہ ایک حدیثِ قدسی کی رو سے اگر بندہ اس کی جانب چل کر

آتا ہے تو وہ بندے کی جانب دوڑ کر آتا ہے اور اگر بندہ اس کی طرف بالشت بھر بڑھتا ہے تو

وہ بندے کی طرف ہاتھ بھر بڑھتا ہے.....

گویا بقول علامہ اقبال مرحوم۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں!

راہ دکھلائیں کسے؟ رہو منزل ہی نہیں!

☆ — ☆ — ☆

تنظیمِ اسلامی کا پیغام

نظامِ خلافت کا قیام



تنظیمِ اسلامی

مروجہ مفہوم کے اعتبار سے

نہ کوئی سیاسی جماعت نہ مذہبی فرقہ

بلکہ ایک اصولی

اسلامی انقلابی جماعت

ہے جو اولاً پاکستان اور بالآخر ساری دنیا میں

دینِ حق

یعنی اسلام کو غالب یا بالفاظِ دیگر

نظامِ خلافت

کو قائم کرنے کیلئے کوشاں ہے!

امیر: حافظ عاکف سعید

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان اور سرچشمہ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ امتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ - اور - غلبہٴ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ